

اشارات

الاخوان المسلمون کا کرنل ناصر کے ہاتھوں جو حشر ہوا ہے، اور اس ضمن میں عدل و انصاف کا جس طرح خون کیا گیا ہے، اور انسانی جان اور ناموس کی جس انداز سے بے حرمتی ہوئی ہے وہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی داستان نہیں جس سے دنیا بے خبر ہو۔ خود مغربی اخبارات میں اس ظلم و ستم کی وقتاً فوقتاً جو خبریں شائع ہوتی رہی ہیں انہیں پڑھ کر سنگدل سے سنگدل انسان بھی لرز جاتا ہے اور وہ اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کیا اس دنیا میں انسان آباد ہیں یا یہ ہماری نظر کا دھوکا ہے؟ ہمیں یہاں جو انسانی بستیاں نظر آتی ہیں وہ کہیں دزدلوں اور وحشی جانوروں کے بھٹ تو نہیں ہیں جنہیں ہماری نظر نے غلطی سے انسانی آبادیاں سمجھ رکھا ہے؟

اگر دنیا کا ہر انسان اور دنیا کی ہر قوم ظلم و استبداد کو ایک ہی انداز سے دیکھتی اور اس پر ایک ہی طرح کا رد عمل ظاہر کرتی تو شاید انسانیت ذہنی اعتبار سے کبھی اتنی پریشان نہ ہوتی۔ ظلم سے بھی بڑھ کر پریشانی انسانیت کو اُس وقت ہوتی ہے جب وہ تہذیب و تمدن کی دعویٰ دار قوموں کے اقوال و افعال میں شدید تضاد دیکھتی ہے اور جب وہ عدل و انصاف کے علمبرداروں کو حق و انصاف کا خون کرتا ہوا پاتی ہے۔ اگر انسانیت کو اس بات کا پوری طرح یقین ہو جاتا کہ انسان اب انسان نہیں رہا بلکہ خونخوار دزدہ بن گیا ہے اور اس بنا پر اُس سے کسی خیر بھلائی، شرافت اور انصاف کی توقع بیکار ہے تو وہ انسان سے، اُس کے مستقبل سے، اُس کے جذبہ رحم اور انصاف سے یکسر

ماریوس ہو کر مٹی بٹھ جاتی۔ مگر اسے کیا کیجیے کہ مغربی قومیں مشرقی اقوام کو وہ سکون بھی نصیب نہیں ہونے دیتیں جو انسان کو انتہائی مایوسی کے عالم میں ملتا ہے۔ مشرق کی ان بد نصیب اقوام کی حالت اہل مغرب نے اُس پیاسے کی سی بنا رکھی ہے جو ترقی و ترقی صحرا میں پانی کی تلاش میں نکلتا ہے مگر سوائے سراب کے اُسے کوئی ایسی چیز پاتا ہے نہیں آتی جو اُسے تسکین عطا کر سکے۔ آپ اُس سیاہ بخت انسان کی حالت کا خود اندازہ لگائیں جو پیاس سے نڈھال چلچلاتی دھوپ اور پتی ہوئی ریت کے اندر میلوں کی مسافت اس امید پر طے کرتا ہے کہ اُسے پانی کا ٹھنڈا چشمہ ملیگا۔ لیکن وہ سفر کی ساری دشواریاں برداشت کرنے کے بعد جب وہاں پہنچتا ہے تو اُسے یہ کرب ناک احساس ہوتا ہے کہ یہ تو محض فریب نظر تھا۔ کیا اس شخص کے حق میں یہ اچھا نہ تھا کہ اسے اس فریب میں مبتلا ہی نہ کیا جاتا اور وہ ایک غلط امید پر چلنے کے بجائے سکون کے ساتھ موت کی آغوش میں چلا جاتا؟

انسان کو دو بڑی چیزیں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان بخش سکتی ہیں۔ یا تو یہ اطمینان کہ وہ جس سمت بھی نکلے اور تذبذب کے ساتھ قدم اٹھا رہا ہے اُس پر چل کر وہ گہرے مقصود پا لے گا اور جن افراد اور اداروں پر وہ بھروسہ کر رہا ہے وہ اُسے کبھی دھوکا نہ دیں گے۔ یا پھر یہ احساس کہ دنیا سراسر دھوکا ہے، یہاں کسی شخص یا قوم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، عدل و انصاف یہاں کسی چیز کا نام نہیں ہے اور آزادی و حریت محض بے معنی الفاظ ہیں۔ اس دوسری صورت میں کم از کم یہ تو ہوگا کہ آدمی کو کامل مایوسی ہو جائے گی، وہ اپنے عزائم اور ارادوں کے خود مدفن تیار کر کے ان کے گرد مٹی بٹھ جائے گا اور امیدوں کا کوئی دیا جلا کر اپنے سکونِ خاطر کو درہم برہم کرنے کے سامان نہ کرے گا۔

مغربی اقوام نے مشرقی قوموں، اور خصوصاً مسلمانوں پر جو مختلف مظالم کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جب ان کی طرف سے یکسر ماریوس ہونے لگتے ہیں تو یہ آزادی اور حریت کے سراب دکھا کر انہیں پھر اس فریب میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ عدل و انصاف کی متاع گراں اُن کے ہاں سے ضرور حاصل ہوگی۔ وہ بے چارے پھر ان کی رکاب تھام کر ان کے ساتھ بھانٹا شروع کر دیتے

ہیں اور ایک طویل سفر کی کلنتیں برداشت کرنے کے بعد جب حقائق ان کے سامنے آتے ہیں تو پھر ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔

آپ کو اگر مسلمانوں کی اس حکایت تشنہ و سراب کا درد انگیز منظر دیکھنا ہو تو ذرا مغربی پریس کے اس طرز عمل کو دیکھیں جو اس نے مسلم ممالک کے معاملہ میں اختیار کر رکھا ہے۔ یہ پریس ایک طرف آزادی، جمہوریت، رواداری، انسانی حقوق کے احترام اور عدل و انصاف کے اصولوں کی حمایت کے بلند بانگ دعوے کرتا ہے۔ دوسری طرف اس کا حال یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان ملک میں کوئی ایسی حکومت قائم ہو جائے جو اسلام کی برائے نام بھی پاسداری کرتی نظر آتی ہو تو اس کی ذرا سی غلطیوں کو یہ خوب اچھانتا ہے اور یہ شور مچا مچا کر زمین و آسمان سر پر اٹھالیتا ہے کہ وہاں آزادیاں کھلی جا رہی ہیں اور انصاف کا خون کیا جا رہا ہے اور جمہوریت کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ مگر جب کسی مسلمان ملک میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی ہوتی نظر آئے اور اسلام کے لیے کام کرنے والوں پر ظلم توڑنے میں عدل و انصاف اور آزادی و جمہوریت کے سارے اصول پامال کر ڈالے جائیں تو یہی پریس اپنے ان تمام دعوؤں کو قطعی فراموش کر دیتا ہے اور آٹھ ان لوگوں کی پیٹھ ٹھونکنے میں لگ جاتا ہے جو ان کی یہ منہ مانگی مراد پوری کر رہے ہوں۔ اُس وقت انصاف اور انسانی حقوق کی کوئی مٹی پیدا ہوتی ان کو نظر نہیں آتی، بلکہ مسلمان حکمرانوں کے ان کا زانموں پر ان کی باجپیں کھلی پڑتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں اکثریت زور پکڑ رہی ہو اور روس کا اثر بڑھ رہا ہو، جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز اس گروہ کو ناگوار نہیں ہے، تو یہ لوگ ایسی حالت میں یہ کچھ بھی بخوشی گوارا کر لیں گے جبکہ وہاں اسلام کے "خطرے" کا قلع قمع ہو رہا ہو۔ اس کی ایک تازہ ترین مثال ملاحظہ ہو۔

اخوان المسلمین کے ساتھ ناصر نے جو سلوک کیا ہے اس پر ساری دنیا نے اسلام پیچا کھٹی ہے۔ جن غیر جمہوری طریقوں سے اس تحریک کو مصر میں کچلا گیا ہے، اور عدالت کا جو مضحکہ خیز

ڈرامہ کھیل کر اخوان کو قتل اور قید کی سزائیں دی گئی ہیں، اگر دنیا میں کسی اور جگہ یہ کچھ مسلمانوں کے سوا کسی اور کے ساتھ کیا جاتا تو مغربی پریس کا رد عمل اس پر کچھ اور ہوتا۔ مگر چونکہ معاملہ اسلام کے احیاء کی کوشش کرنے والی ایک جماعت کا تھا اس لیے امریکہ کا مشہور سفیر روزہ ٹائم مصر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اس دینی جماعت کو اس انداز سے پیش کرتا ہے گویا کہ یہ قاتلوں ربنزوں اور ڈاکوؤں کا کوئی گروہ ہے، جس کا کام سوائے قتل و غارت کے اور کوئی نہیں۔ اس لحاظ سے یہ گروہ کسی ہمدردی کا مستحق نہیں اور ناصر صاحب نے دنیا پر یہ عظیم احسان کیا ہے کہ انہوں نے اس ظالم اور سفاک گروہ کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کسی تامل سے کام نہیں لیا۔ ٹائم کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

دو گزشتہ ہفتے ناصر کی عدالت نے ۹۳ مجرموں کو سزائیں دیں جو اس کا تختہ الٹنے

کے لیے مختلف سازشیں کر رہے تھے۔ ان مجرموں میں ۹۲ آدمی مصر کی طاقتور جماعت اخوان المسلمین کے رکن تھے جو پانچ لاکھ ارکان پر مشتمل ہے۔ یہ جماعت تنگ نظر اور متعصب مذہبی دیوانوں کا ایک خونخوار گروہ ہے جو شراب نوشی اور سینیما بینی اور تعلیم نسواں کو ختم کرنے کے درپے ہے اور قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ بارہ برس پہلے اس کے پچھ رہنماؤں کو ناصر پر قاتلانہ حملے کی پاداش میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھا اور اس کے ہزاروں ارکان جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں اس کے اکثر و بیشتر افراد رہا ہو کر زیادہ خطرناک سازشیں کرنے لگے۔ ایک گروہ نے بم بنانے میں خصوصی مہارت حاصل کی۔ دوسرے نے بجلی گھروں اور برقی اور آبی طاقت کے مراکز کو تباہ کرنے میں امتیاز حاصل کیا۔ تیسرے گروہ نے آتشیں اسلحہ کی دل کھول کر سمگلنگ کی اور اس میں فنی مہارت کے خوب جوہر دکھائے۔ برسوں کی منصوبہ بندی کے بعد ناصر کو انقلابی حکومت کی تیاریوں ساگرہ کے موقع پر قتل کرنے کی ایک نئی سکیم تیار کی گئی۔ ایک گروہ کو کرنل ناصر کی کار اور اس کے جلو کو اڑا دینے پر متعین کیا گیا

اور اس کی ناکامی کی صورت میں دوسرے گروہ کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ آٹا ٹائٹا اس کی گاڑی کو اڑا دے۔ یہ دونوں منصوبے ناکام رہنے کی صورت میں ایک گروہ کو اُسے گولیوں سے چھپنی کرنے کی سخت تاکید کی گئی۔ مگر ناصر کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اس سازش کا بروقت علم ہو گیا اور اُس نے الاخوان المسلمون کی وسیع پیمانے پر یکپڑ دھکڑ شروع کی۔ گزشتہ ہفتے چار ماہ کی عدالتی کارروائی کے بعد سات ارکان کو پھانسی کی سزا دے دی گئی اور ۸۵ افراد کو ایک سال سے لے کر عر قید تک کی سزائیں دی گئیں۔ (۲ ستمبر ۱۹۶۶ء)

اسی طرح امریکہ کے دوسرے مشہور مجلہ "نیوز ویک" نے اخوان المسلمین کا ذکر کرتے ہوئے اسے ایک تنگ نظر اور متعصب دیوانوں کی دہشت پسند تنظیم سے تعبیر کیا ہے اور ناصر کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا: اس نے کمال ہنرمندی، چابکدستی اور ذہانت کے ساتھ اسے ٹھکانے لگایا ہے اور اس طرح بڑی جرأت کے ساتھ رجعت پسند عناصر کا قلع قمع کیا ہے۔ (۵ ستمبر ۱۹۶۶ء)

الاخوان المسلمون پر ان دونوں امریکی پرچوں کے ان تبصروں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے مصری پولیس کے ان تمام الزامات کو لفظ بلفظ صحیح تسلیم کیا ہے جو اس نے اخوان پر لگائے تھے، اور اُس نام نہاد عدالتی کارروائی کو بھی بالکل درست سمجھا ہے جس میں اخوان کو کسی صفائی کا موقع دیا بغیر سزائیں دی گئی ہیں حالانکہ اگر اسی طرح کے الزامات لگا کر اور ایسی ہی عدالتی کارروائی کر کے روس، ہنگری، یا یوگوسلاویہ میں کسی اور گروہ کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تو ٹائم اور نیوز ویک کے تبصروں کی نشان کچھ اور ہی ہوتی۔

یہ وہ عام رجحان ہے جو مغرب کے پورے پریس میں نظر آتا ہے۔ اس کے ہاں انسانی آزادی، قانون کی برتری، جمہوری اقدار اور انسانی حقوق کے بڑے شاندار تذکرے اور فیچر ملیں گے اور یوں محسوس ہوگا کہ پوری دنیا نے مغرب ان کی محافظ اور پاسبان ہے اور ان پر جب ذرا سی آچھ بھی آئے تو وہ سخت مضطرب ہو کر فوراً ان قوتوں کے خلاف صف آرا ہو جاتی ہے جو انہیں پامال

کرنے کا ناپاک عزم رکھتے ہوں۔ ممکن ہے اپنے دائرے میں انسانی بنیادی حقوق کے متعلق اتنی ہی حساس ہو جتنی وہ اس کی نمائش کرتی ہے۔ لیکن یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں اس کی روش انتہائی افسوسناک بلکہ شرمناک ہے۔

اگر اسلام کو دوبانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے کوئی سفاک آمر یا استعمار پسند قوم آگے بڑھے اور اپنے اس مقصد کی تکمیل میں ان تمام اقدار کو روند ڈالے جن کے یہ بڑے پرستار بنتے ہیں، تو جمہوری اقدار کے ان علمبرداروں کے ضمیر میں قطعاً کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی بلکہ مغربی پریس اور مغربی ممالک اس کے مظالم پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرنے لگتے ہیں اور مظلوموں کے حق میں کوئی کلمہ خیر تو درکنار، کلمہ انصاف بھی ان کی زبان سے نہیں نکلتا۔

جب کسی مسلمان ملک میں کوئی دین پسند تحریک اسیاٹے اسلام کا پاک اور مقدس عزم لے کر جدوجہد شروع کرے تو مغربی قوموں کو سخت خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور وہ ہر طرح سے اسے بدنام اور رسوا کرنے اور اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس تحریک کے متعلق مغربی پریس طرح طرح کی بدگائیاں پھیلاتا ہے، برسر اقدار طبقوں کو اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ اسے ختم کرنے میں پوری قوت سے کام لیں اور اس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک کہ اس تحریک اور اس کے خادموں کی بربادی کا پوری طرح سامان نہ ہو جائے۔

اور اگر محض حسن اتفاق سے کسی جگہ کوئی ایسا فرد یا طبقہ برسر اقدار آجائے جو اسلام کا علمبردار نہ سہی، محض اس کے بارے میں اچھے جذبات یا نرم رویہ ہی رکھتا ہو تو مغربی پریس اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر چڑھتا ہے، اس کی معمولی کوتاہیوں اور غرضتوں کو تری شد و مد کے ساتھ اچھالتا ہے، اسے ذلیل و خوار کرنے کے لیے اس کے بارے میں طرح طرح کی خبریں گھڑتا ہے اور اس وقت تک دم نہیں لیتا جب تک کہ غیر اسلامی قوتیں اس پر پوری طرح غالب آکر اسے برباد نہیں کر دیتیں۔

مغربی پریس کے اس طرز عمل کا اندازہ کرنے کے لیے عقل کی کوئی زیادہ مقدار درکار نہیں۔ آپ صرف گزشتہ چند سالوں کے واقعات پر نظر ڈالیں تو آپ کو حقیقت حال معلوم ہو جائیگی۔

ٹرکی کے سابق وزیر اعظم عدنان میندریس مرحوم اور ان کی پارٹی کے لوگ اسلام کے بارے میں اتا ترک کے برعکس معاندانہ طرز عمل اختیار کرنے کے بجائے صرف اچھے جذبات رکھتے تھے اور اس ظلم و ستم کو ختم کرنا چاہتے تھے جو "ترک ناداں" اور اس کے ساتھیوں نے دین حق اور اس کے پیروؤں کے خلاف شروع کر رکھا تھا۔ ان حضرات کا جرم صرف اسی قدر تھا کہ انہوں نے عبادات اور دوسرے اسلامی احکام کی بجا آوری میں ترک عوام کو آزادی دی۔

مغربی ممالک نے جس وقت یہ دیکھا کہ عدنان میندریس اور اس کی پارٹی مسلمانوں کے دینی احساسات کا احترام کرتی ہے اور وہ عوامی خواہشات کو بروئے کار لانا چاہتی ہے تو ان کی خبر رساں ایجنسیوں اور ان کے پریس نے فوراً اس کے خلاف پروپگنڈے کے سارے ہتھیار سنبھال لیے اور اُسے دنیا بھر میں آزادی رائے کی دشمن حکومت کی حیثیت سے بدنام کرنا شروع کر دیا۔ یہ پروگرام ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت مسلسل چلتا رہا یہاں تک کہ اس شدید اقدام کے لیے زمین ہموار ہو گئی جو مغربی قومیں چاہتی تھیں کہ میندریس اور اس کے رشتہ کار کے خلاف کیا جائے۔ پروپگنڈہ کے اسی طوفان میں آخر کار فوجی انقلاب برپا ہوا اور عدنان میندریس اور اس کے ساتھیوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ کام عدل و انصاف کے سارے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حیرت انگیز عملیت کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن وہ ممالک اور وہ خبر رساں ایجنسیاں جو عدنان میندریس کے خلاف آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھیں انہوں نے اس غیر جمہوری اور سفاکانہ طرز عمل کے خلاف ایک لفظ تک نہ کہا بلکہ اسے رجعت پسندی پر عملیت کی فتح تصور کرتے ہوئے خوشی کے شادیاں منائیں۔

اب ذرا دوسرا رخ دیکھیے۔ میندریس کو ہٹا کر برسر اقتدار آنے والی حکومت نے جس بیڈی

کے ساتھ شہری آزادیوں کو پامال کیا اس کے متعلق نہ تو ان مغربی ممالک کے پریس کو احتجاج کرنے کی توفیق نصیب ہوئی اور نہ ان کی خبر رساں ایجنسیوں نے اس ظلم و ستم کے متعلق دنیا کو آگاہ کیا۔ بلکہ استبداد کے اس پورے دور میں انقلابی حکومت کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے زور دار مقالے لکھے گئے اور عدنان میندریس اور جنڈال باپار کے بارے میں ایسے ایسے واقعات تراش تراش کر منظر عام پر لائے گئے جن سے مقصود یہ تھا کہ سٹیٹس پارٹی ویل اور بدنام ہو اور عوام کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ چلو اچھا ہوا کہ ایک ظالم جماعت کا قلع قمع ہو گیا۔ اس پورے عرصے میں ان خبر رساں ایجنسیوں کو ایک مرتبہ بھی شہری آزادیوں کے تحفظ، انسانی بنیادی حقوق کے احترام اور جمہوری اقدار کی حمایت کا خیال نہ آیا اور ملک کے اندر ظلم و ستم کی چکی ایسی خاموشی کے ساتھ چلتی رہی کہ دنیا کو قانون کا ن بھی اس کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ اب ایک عوامی حکومت کے قیام کے بعد یہ راز افشا ہوا ہے کہ جن لوگوں نے شہری آزادیوں کا گلا گھونٹنے کے الزام میں میندریس کی حکومت کا تختہ الٹا تھا، انہوں نے ۵ ہزار افراد کو مقدمہ چلائے بغیر ۵ سال سے اوپر جیلوں میں قید کیے رکھا اور ان بد نصیبوں کو آج رہائی ملی ہے۔

امریکہ اور اس کے مغربی دوست اسلام کے بارے میں جو جذبات رکھتے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے باسانی کیا جاسکتا ہے کہ اپنے جزائی مقام کے لحاظ سے روس کے مقابلہ میں ترکی ان کا سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد حلیف ہے۔ اگر ترکی روس کے اثر میں آجائے تو وہ اس کو سیدھا بھرا بھینس دمیڈیرینین، میں لاکھڑا کر سکتا ہے، اور اگر وہ مغربی ممالک کے ساتھ ہو تو بنگ کی حالت میں اہل مغرب عین روس کے پیٹ میں خنجر بھونک سکتے ہیں۔ اہل مغرب ترکی کی اس اہمیت سے خوب واقف ہیں اور اسی لیے وہ وہاں اپنا بہت بڑا سرمایہ بھپا رہے ہیں۔ ان کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ اگر ترکی میں آئیڈیالوجی کے اعتبار سے ایک خلد واقع ہو جائے تو عیسائیت یا کوئی مغربی آئیڈیالوجی اسے نہیں بھرے گی بلکہ کمیونزم اس کو بھرنے کے لیے آجائے گا اور روس کے ساتھ

ترکوں کی تاریخی عداوت اُس کا راستہ زیادہ دیر تک نہیں روک سکتی۔ آخر اسی عداوت کے باوجود ترکی کے حالیہ انتخابات میں ایک ایسی پارٹی تین لاکھ سے زیادہ ووٹ حاصل کر چکی ہے جو سرچ اشتراکی میلانات رکھتی ہے۔ وہ کھلی آنکھوں سے یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ شام اور مدس برن اشتراکیت کے سیلاب میں بہ چکے ہیں اور ان کے ساتھ اگر ترکی بھی بہ نکلے تو اس کے نتائج کیا ہونگے۔ مگر یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وہ کسی طرح یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ترکی میں اسلام زندہ ہو۔ اس کا اشتراکی ہو جانا انہیں قبول۔ اس کا روس کی گود میں چلا جانا انہیں گوارا۔ مگر یہ کسی طرح قابل برداشت نہیں کہ ترکی مساجد کے میناروں سے عربی اذان پھر سے بلند ہونے لگے۔ ابی پیچیلے نو کی بات ہے کہ ترکی پارلیمنٹ کے اجلاس، کمانی انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ رمضان کے زمانے میں انتظار کے وقت سے پہلے برخاست کیے جانے لگے تو مغربی پریس کو یہ بہت اہم خبر محسوس ہوئی اور اس نے دنیا بھر کو اس سے مطلع کرنا ضروری سمجھا۔ مگر اس بات میں ان کے بے کوئی خبریت نہ تھی کہ ان کی دل پسند انقلابی حکومت ۵ سال کے دوران میں پچاس ہزار آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر قید کرتی رہی۔

مغربی ممالک کا یہی رویہ نائیجیریا کے معاملہ میں نظر آتا ہے۔ جب تک احمد و سلو اور ابوبکر تئاوا بیوا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، جیسے خادم دین حضرات بر سر اقدار رہے اسی وقت تک مغربی پریس کو جمہوریت کا غم کھاتا رہا اور وہ برابر ان کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے میں مصروف رہا کہ یہ حضرات جمہوریت کا خون کر رہے ہیں اور ان کے وجود سے جمہوری اقدار کو خطرہ لاحق ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات سے آزادی اور انسانی بنیادی حقوق کو کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ اصل میں مغرب کے لیے تشویش کی باعث یہ چیز تھی کہ نائیجیریا میں مسلم اکثریت ایک موثر قوت کی حیثیت سے امور مملکت پر حاوی ہوتی جا رہی تھی اور اس میں غالب عنصر ایسے نیک اور خدا ترس افراد کا تھا جنہیں دنیاوی جاہ و جلال کی نسبت دین عزیز تر تھا۔ یہ صورت حال دنیا سے مغرب کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ ان حضرات کے خلاف مسلسل زہر اگلے رہے اور انہیں اس وقت تک

سکونِ خاطر نصیب نہ ہوا جب تک کہ احمد سجاد اور ابو بکر نقشبندی عظیم شیعہ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار کر عیسائی اقلیت کے چند فوجی افسر مسندِ اقتدار پر متمکن نہ ہو گئے۔ اقتدار کی اس تبدیلی کے بعد مغربی پریس وقتاً فوقتاً دنیا کو یہ خبریں سناتا رہا کہ جنرل آئروڈنسی حالات کو سدھارنے کے لیے کس خوبی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ مگر اس امر کا بھول کر بھی کوئی تذکرہ اس پریس میں نہ آیا کہ یہ عیسائی جنرلی اکثریت پر اقلیت کو مسلط کرنے کے لیے کیا تدبیریں کر رہا ہے اور اس سے بھی کچھ جمہوری اقتدار پامال ہو رہی ہیں یا نہیں۔ اس کا ذکر کرنا کیا معنی، اٹھے اس نے انسانی کو جائز ثابت کرنے کے لیے عجیب و غریب دلائل پیشے جانے لگے۔ اب نائجیریا میں جو تازہ انقلاب ہوا ہے اس کے بعد اہل مغرب کو تمام تر فکر اس بات کی ہے کہ اگلی مسلم اکثریت پر غیر مسلم اقلیت حاوی نہ ہو سکے تو کم از کم یہی ہو کہ اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور افریقہ کے اس سب سے زیادہ آباد ملک پر مسلم اکثریت کا اقتدار قائم نہ رہنے پائے۔ یہ ہے ان بالن لوگوں کا کردار جو ہیں مادی اور جمہوریت کے سبق دیتے ہیں اور دنیا میں عدل و انصاف کے علمبردار بننے پھرتے ہیں۔

یہ سب واقعات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ مغربی قوموں کو جمہوریت، آزادیِ رائے اور بنیادی انسانی حقوق کا غم بس اسی وقت لاحق ہوتا ہے جب دنیا میں کہیں اسلام کے لیے کوئی کام ہوتا نظر آئے۔ اسلام کی سر بلندی کا خطرہ سامنے آئے ہی ان کے پیٹ میں جمہوریت کے مروڑ اُبھنے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ ان قوتوں کے خلاف مکروہ پروپیگنڈے کی ناپاک مہم شروع کر دیتی ہیں جو اس "خطرے" کے پیچھے کام کرتی دکھائی دیتی ہوں۔ لیکن اسلام کا راستہ روکنے اور اس کی اقدار حیات کو پامال کرنے کے لیے خواہ کتنے ہی مظالم کیے جائیں، کتنی ہی سرک بے انسانوں کا ارتکاب کیا جائے، کیسے ہی غیر جمہوری اور غیر اخلاقی طریقے اختیار کیے جائیں، ان کے ضمیر پر جوں تک نہیں رنگتی، نہ ان کے دلوں میں کوئی معمولی ارتعاش تک پیدا ہوتا ہے۔ مصر میں آج جو کچھ ہوا ہے، ائٹریا کی بلاک نے اس پر خوشی کے ڈھول پیٹے ہیں اور مغربی بلاک نے اس پر آفرین و

صد آفرین کی صدائیں بلند کی ہیں۔ کوئی آنکھ اس اندوہناک صورتِ حال پر نمناک نہیں ہوئی کسی دل میں یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ متنازع حیات سے محروم ہونے والے اور مصری حکام کے ہاتھوں روزِ عذاب کی سختیاں جھیننے والے انسانی برادری ہی کے معزز ارکان ہیں اور ان کے لیے بھی آزادی اور انصاف کے تقاضے اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں جتنے کہ خود ان کے لیے۔ الاخوان المسلمین کے ختم ہونے سے چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے مغربی قومیں صدر ناصر کے اس ظالمانہ اقدام پر بڑی مسرور ہیں اور اس بات پر مطمئن ہیں کہ ناصر صاحب ان کی ناپاک خواہشات کی تکمیل میں دانستہ یا نادانستہ مدد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغربی پریس کی یہ رویش کوئی ایسا حادثہ نہیں ہے جسے محض اتفاق پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس کے اسلام دشمن طرزِ عمل میں اتنی استواری اور پائیداری ہے کہ انسانی عقل اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز باور ہی نہیں کر سکتی کہ وہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے اندازِ فکر، نگے بندھے منصوبے اور متعین مقاصد کی تکمیل میں کر رہا ہے۔ اس کا یہ طرزِ عمل چند صحافیوں اور خبر رسالوں کے ذاتی ذوق یا رجحان کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ پوری پوری قوموں اور سلطنتوں کی پالیسی ہی ہے۔ بلکہ یہ اہل مغرب کی مشترک بین الاقوامی پالیسی ہے اور پریس اس کا ایک بڑا موثر آلہ کار ہے۔ کم از کم اس معاملہ میں پریس ایک خود مختار ادارہ نہیں ہے جو اپنی قوموں کی پالیسی سے ہٹ کر اپنی کوئی الگ پالیسی پلاتا ہو۔

یہ ہو سکتا ہے کہ مغربی پریس کے مختلف مدارسِ فکر ہوں اور مختلف مفادات کے محافظ و نگران اور مختلف افکار و نظریات کے ترجمان کی حیثیت سے یہ پریس متعدد کیمپوں میں بٹا ہوا ہو۔ ان میں باہمی سرکھپول اور حقیقت بھی ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں کے معاملہ میں اس سارے پریس کے قریب قریب یکساں طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقت نہایت واضح طور پر کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خواہ اس کے اپنے اندر کتنے ہی اختلافات پائے جائیں مگر اس ایک معاملے میں اس کے اندر

مکمل یک جہتی اور اتحاد ہے۔ وہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اسلام کو سراٹھلتے نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اسلام کے رشتے کی بنا پر مسلمانوں کو متحد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ وہ کسی مسلمان قوم کو طاقت پکڑتے نہیں دیکھ سکتا۔ جہاں بھی اسے اسلام کے ایک زندہ طاقت کی حیثیت سے اُبھرنے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے، یہ پورا پورا اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

جب تک مغربی اقوام مسلمانوں پر براہِ راست مسلط رہیں اُس وقت تک تو وہ خود اپنے ہاتھ سے آزادی، حریت، انسانی بنیادی حقوق اور انصاف کا خون کرتی رہیں۔ اسلام اور اسلامی تحریکات کو دہانے میں ہر قسم کے ظلم سے کام لیتی رہیں۔ مگر انہیں اس امر کا پوری طرح احساس تھا کہ وہ ان ممالک پر خود زیادہ دیر تک مسلط نہیں رہ سکیں گی۔ اور ایک نہ ایک دن ان ممالک کو آزاد ہی کرنا پڑے گا۔ اس لیے انہوں نے شروع ہی سے اس امر کا پوری طرح اہتمام کیا کہ ان کے جسم کے ساتھ ان کی رُوح یہاں سے رخصت نہ ہونے پائے، بلکہ وہ مسلمانوں کے ایک طبقے کے اندر حل کر کے اسے مغربی قوموں کے مفاسد کی تکمیل کا ایک موثر ذریعہ بنا دے۔ چنانچہ ان قوموں نے اپنی رُوحِ بد، کا وارث بنانے کے لیے مسلمانوں کے اندر ایک ایسے طبقے کا انتخاب کیا جسے وطن، دین، ایمان، اخلاق، الغرض دنیا کی ہر چیز کے مقابلے میں اپنے مفادات عزیز تھے۔ اس بے ضمیر طبقے کو اپنا صحیح طور پر جانٹین بنانے کے لیے اس کی بڑی تربیت کی گئی اور قوم کے اندر اس کے اثر و رسوخ کو بڑھانے کے لیے مختلف چالیں چلی گئیں۔ سب سے پہلے ان کی تعلیم کے لیے خاص انتظامات کیے گئے تاکہ مسلم سوسائٹی اور ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ بُعد اور بیگانگی پیدا ہو، وہ رنگ و نسل کے اعتبار سے مسلم معاشرے سے تعلق رکھنے کے باوجود افکار و نظریات اور احساسات جذبات کے اعتبار سے غیر ملکی ہوں، اور مغربی فرمانرواؤں کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ اپنی کے سے جابرانہ طرزِ فکر کے ساتھ مسلمانوں پر اپنی گرفت مضبوط رکھ کر انہیں اسی طرح تباہی جس طرح کہ مغربی قومیں انہیں دو سو سال سے ستا رہی ہیں۔ تعلیم و تربیت کے ان ابتدائی مراحل سے

گزارنے کے بعد انہیں مسلم عوام کی نردوں پر اس طرح مسلط کیا گیا کہ وہ اپنے بھائی بندوں سے
 ایک تعلق رہیں اور اپنے آپ کو برتر اور اپنے بھائیوں کو کم تر مخلوق سمجھتے ہوئے ان سے معاملہ
 کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم معاشرے کے بطن سے ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جسے مسلم قوم
 اس کے مسائل، اس کی تہذیب و تمدن، اس کی روایات، اور اس کی قوت کے اصل محرکات سے
 قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ طبقہ عام مسلم سوسائٹی کے احساسات سے کیسے بچا نہ ہو کر رہا۔ اس کا تعلق
 خاطر اپنی امت سے زیادہ دوسری قوموں سے تھا۔ اُسے ان کے مقاصد حیات، ان کے افکار و
 نظریات، اور ان کے نلرز زندگی زیادہ عزیز تھے۔ فکر و احساس کے اس غیر فطری نشوونما نے اس
 طبقے کے اندر بہت سے نفسیاتی عوارض پیدا کر دیئے۔ ان سب میں بڑا عارضہ احساس کمتری ہے۔
 عام مسلم سوسائٹی چونکہ انہیں اپنے یاں عزت و احترام کا کوئی مقام دینے پر آمادہ نہ تھی اور غیر
 ملکی حکمران ایسے بے ضمیر طمع آزماؤں کو اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے سوا اور کسی دوسرے مقصد
 کے لیے مفید نہ سمجھتے تھے، اس لیے اس طبقے کے اندر بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس پیدا ہوا
 کہ اُسے اگر دنیا میں عزت کے ساتھ رہنا ہے تو اس کے لیے بس ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ وہ
 کسی طرح مسند اقتدار کے ساتھ چننا رہے اور اقتدار کی قوت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے
 ایک طرف اپنے لیے زیادہ سے زیادہ مادی منافع حاصل کرے اور دوسری طرف اپنی قوم کو
 کچلنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے تاکہ پوری قوم مغلوب ہو کر رہ جائے اور کوئی چیز بھی اس
 کی تکمیل ہوس میں مزاحم نہ ہو سکے۔ اسی غرض کے لیے مغربی قومیں ان طبقوں کو ہربا زونا جائز
 طریقے سے مشرقی ممالک میں تسلط رکھنے پر ٹھہریں اور جہاں ان کے تسلط کا سوال پیدا ہوتا
 ہے وہاں وہ جمہوریت، آزادی رائے اور انسانی بنیادی حقوق کے وہ سارے مواعظِ حسنہ
 بھول جاتی ہیں جو اپنے یاں ان کی نظر میں دین و ایمان کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہیں اپنے
 یاں کے حکمرانوں سے تسلیم کروانے کے لیے وہ خود ایک طویل اور خوفناک کشمکش سے گزر چکی
 ہیں۔ اپنے ملکوں میں وہ ان حقوق کی زبردست حامی ہیں، مگر مسلمان ممالک میں ان کی ساری

ہمدردیاں ان حقوق کے علمبرداروں کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے پامال کرنے والوں کے ساتھ ہیں ان ملکوں کے لیے وہ جمہوریت کے بجائے آمریت کو زیادہ موزوں سمجھتی ہیں۔ ان ملکوں کے معاملہ میں وہ اکثریت کی حکومت کا اصول منہ کے سینے تیار نہیں ہیں کیونکہ وہ الامحازہ مسلم قوم کے عزائم اور اداؤں کی ترجمان ہوگی۔ اس کے برعکس مغرب زدہ اقلیت کے تسلط کے قیام کے لیے ناپاک کوششیں ہوتی ہیں اس اقلیت کو آزادی رائے کا خون کرنے اور عوامی احساسات و جذبات کو کچھنے پراکسایا جاتا ہے۔ جو من چلے اس کام میں زیادہ جری اور بے باک ہوں اور زیادہ سفاکی اور زبردست آزاری کا مظاہرہ کریں ان کی مدح و ستائش کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ مغربی پریس ان کی پیٹھ ٹمٹکتا ہے اور قوم کے حقیقی ہی خواہوں اور اس کی امتگوں کی ترجمانی کرنے والے مجلس خادموں کو دنیا میں سوا اور بدنام کرنے کے لیے ہر طریقہ اور حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔

مغربی قوموں کا یہ طرز عمل استعمار پرستوں کے لیے بیشمار فوائد کا حامل ثابت ہوا ہے مسلمان حکمرانوں اور عوام کے درمیان، اور خود ان میں بھی باہم اتحاد کی جگہ زبردست سرکھپول شروع ہو گئی اور بھائی نے بھائی کے دکھ درد میں شریک ہونے اور دستِ تعاون بڑھانے کے بجائے اس کا گلا گائنا شروع کر دیا۔ اس طرح مسلم اقوام کے ذرائع و وسائل تعمیر و ترقی کی راہ پر صرف ہونے کے بجائے ایک دوسرے کو ٹھنڈے اور برباد کرنے میں صرف ہونے لگے۔ مشرق سے منرب تک اکثر و بیشتر مسلمان ریاستوں کو اس باہمی نزاع نے جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں اور اربوں روپے خود اپنے آپ کو تاخت و تاراج کرنے میں لگ گئے ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہونے میں آتا۔ مصر، جس کے معاشی منصوبوں کے بارے میں اتنے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں، اس کی معیشت بالکل برباد ہو گئی ہے۔ اس کے میزانیہ کا ایک بہت بڑا حصہ حکمران طبقوں کی بزرگی کا نقش دلوں پر چھانے اور ان کی غلام پالیسیوں کو حق بجانب ثابت کرنے اور ان کی شخصیتوں کو مصنوعی طور پر اُبھارنے

اور عوام میں مقبول بنوانے میں صرف ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ حکمرانوں کو اکثر اوقات خود ایسے جھگڑے اٹھانے پڑتے ہیں جن سے قوم کی توجہ ان کے اعمال و افعال اور ان کے غلط طرز عمل کے خطرناک نتائج سے ہٹ کر بعض دوسرے مسائل میں الجھ کر رہ جائے اور حکمران بڑی بے خوفی کے ساتھ عوام کو اپنی پالیسیوں کا تختہ مشق بناتے رہیں۔ صدر ناصرنے یمن میں جو ہم جباری کر رکھی ہے اس کے مصری معیشت کی کمزور کر رکھ دی ہے، اور مصر کو مالی اور فوجی لحاظ سے اس قابل نہیں چھوڑنا ہے کہ اگر اسرائیلی عرب ملکوں پر کوئی دست درازی کرے تو مصر اس کی فراحت کر سکے۔ ان حالات میں آئے دن ناصر صاحب کے قتل کی سازشوں اور ان کی جان پر حملوں کے جوت نئے نئے افسانے لکھے جاتے رہے ہیں اور ناکردہ گناہوں کی پاداش میں اخواہیوں پر ظلم کے جو پہاڑ توڑے جاتے ہیں، اس سب کے چھپے یہ بیاز و سنہیت کام کر رہی ہے کہ روز ایک نیا بتوا دکھا کر لوگوں کو ان تباہ کن پالیسیوں کے نتائج سے غافل کیا جائے اور قومی احساسات کے علی الرغم محض قوت کے بل پر لوگوں کی گردنوں پر تاحین حیات مستط رہا جائے۔

ٹرکی بھی مدت دراز سے اسی کشمکش کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ایک مختصر سا مغرب زدہ طبقہ ترکوں کے عوامی جذبات کے برعکس مغربی تہذیب و تمدن کی عملداری قائم کرنے کے دیرپے ہے مگر عوام اسے اپنی موت سمجھتے ہیں۔ انتخابات کا جب کبھی موقع ملتا ہے، عوام اپنی پسند کی اکثریت منتخب کر کے لے آتے ہیں۔ مگر جب اکثریت عوام کی مرضی کے مطابق کام کرنے لگتی ہے تو وہ چھوٹا سا طبقہ زبردستی حکومت کا تختہ الٹ دیتا ہے۔ اس باہمی آدیش میں نہ صرف ملکی دولت کی بربادی ہوئی ہے بلکہ بکثرت قیمتی جانیں بھی ضائع ہوئی ہیں۔ جان و مال کے اس زبیاں اور اس کشمکش نے ٹرکی کی قوت کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور وہ ملک جس کی سمیت سے کبھی پورا یورپ لرزتا تھا آج اپنی آزادی کو بھی بیشکل برقرار رکھ رہا ہے۔ کاش کوئی

(باقی نمٹ پر)